تقرب کی جستجو

جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہوجائے، وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے۔ {سورۂ اسراء: آیت ۵۷}

وسیلہ مانگا کرو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم مجھ پر درود بھیجو تو میرے لیے اللہ تعالیٰ سے 'وسیلہ' مانگا کرو!" کہا گیا کہ اے اللہ کے رسول! "وسیلہ کیا ہے؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ مقام ہے، جو صرف ایک ہی شخص کو ملے گا، مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے ہی دے گا۔ {رواہ احمد}

مُختصر پُر اثر

سنہری باتیں:

جو شخص لوگوں کے ساتھ باتیں کرنا اور مشغول ہونا بنسبت اللہ کی یاد اور عبادت کے زیادہ پسند کرتا ہے اس کا دل اندھا، علم تھوڑا اور عمر رائیگاں ہے۔ (مالک بن دینار)

تواضع:

بنو امیہ کا نواں خلیفہ یزید بن عبدالملک ایک دن امام مکحول رحمہ اللہ کے درس میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے چاہا کہ اس کیلیے کچھ جگہ کشادہ کردیں۔

امام نے فرمایا:

"رہنے دو، جہاں جگہ ملے وہیں بیٹھ جائے۔ حکمرانوں کو کچھ تواضع اور انکساری بھی سیکھنا چاہیے۔"

(حمزہ فیصل۔ تونسہ شریف)

انسان کے تین دوست

علم، دولت اور عزت تینوں دوست تھے۔ ایک مرتبہ ان کے بچھڑنے کا وقت آ گیا۔ علم نے کہا: مجھے درسگاہوں میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ دولت کہنے لگی: مجھے امرا اور بادشاہوں کے محلات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ عزت خاموش رہی۔ علم اور دولت نے عزت سے اس کی خاموشی کی وجہ پوچھی تو عزت ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے کہنے لگی:

جب میں کسی سے بچھڑ جاتی ہوں تو دوبارہ نہیں ملتی۔

نماز کی برکت:

عطاء ارزق کو ان کی اہلیہ نے دو درہم دیے کہ اس کا آٹا خرید کرلادیں۔ جب آپ بازار کی طرف چلے تو راستے میں ایک غلام کو دیکھا کہ کھڑا رو رہا ہے۔ جب اس سے وجہ پوچھی تو اس نے کہا مجھے مولیٰ نے سودے کے لیے دو درہم دیے تھے۔ وہ کھو گئے، اب وہ مجھے مارے گا۔ حضرت نے دونوں درہم اسے دے دیے اور شام تک نماز میں مشغول رہے اور منتظر تھے کہ کہیں سے کچھ ملے مگر کچھ میسر نہ ہوا۔ جب شام ہوئی تو اپنے ایک دوست بڑھئی کی دکان پر بیٹھ گئے۔ اس نے کہا کہ یہ کھورا لے جاؤ، تندور گرم کرنے کی ضرورت ہو تو کام آئے گا اور کچھ میرے پاس نہیں جو آپ کی خدمت کروں۔ حضرت وہ کھورا ایک تھیلے میں ڈال کر گھر تشریف لے گئے اور دروازے ہی سے تھیلا گھر میں رکھ کر مسجد تشریف لے گئے اور نماز پڑھ کر بہت دیر تک بیٹھے رہے تاکہ گھر والے سو جائیں اور ان سے مخاصمت نہ کریں، پھر گھر آئے تو دیکھا کہ وہ لوگ روٹی پکا رہے ہیں۔ فرمایا: تمھیں آٹا کہاں سے ملا؟ کہنے لگے:

"وہ ہے جو آپ تھیلے میں لائے تھے۔ ہمیشہ اسی شخص سے خرید کرلایا کیجیے جس سے آج خریدا ہے۔"

خوش ہو کر کہنے لگے:

"ان شاء اللہ میں ایسا ہی کروں گا۔"

(بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

دوڑ:

نوید بڑے گھر میں شفٹ ہونا چاہتا ہے۔ ہمایوں کو اعلیٰ سرکاری ملازمت کی تلاش ہے۔ فریدہ اگلے ماہ نئی گاڑی لینے کا سوچ رہی ہے۔ سونیا چھٹیوں میں یورپ گھومنے جانا چاہتی ہے۔ سب دنیا کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، جبکہ میرا رب کہہ چکا: فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ (دوڑو اللہ کی طرف!)

(عائشہ انوار۔ پی آئی بی کالونی، کراچی)

فہرست:

میں نے سوچا اپنے اردگرد موجودہ لوگوں کے عیبوں کی فہرست بناتی ہوں۔

قلم اٹھایا تو سوچنے لگی کہ کہاں سے شروع کروں؟ اچانک ضمیر کی آواز آئی۔ خود سے شروع کرو۔ دل و دماغ یہ آواز سن کر ششدر سے گئے۔ تب دل میں بات آئی کہ ہر انسان یہ سمجھتا ہے کہ اس میں کوئی عیب نہیں حالانکہ کوئی بھی اس دنیا میں عیوب سے پاک نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ ہمیں اپنے عیب اور دوسروں کی خوبیاں دیکھنے والی آنکھیں عطا فرمائے۔ آمین!

(عمارہ مشتاق احمد۔ پھول نگر)

حکمت چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

ایک دانا کا قول ہے حکمت چار چیزوں سے پیدا ہوتی ہے:

اول:...... ایسا بدن جو دنیوی مشاغل سے خالی ہو۔

دوم:...... ایسا پیٹ جو خوراک سے خالی ہو۔

سوم:...... ایسا ہاتھ جو دنیوی مال ومتاع سے خالی ہو۔

چہارم:...... دنیا کے انجام میں دھیان رکھنا یعنی اپنا انجام پیش نظر رکھنا کہ کچھ پتا نہیں کیا ہوگا؟ نہ معلوم اعمال قبول بھی ہوں گے یا نہیں؟ کیوں کہ اللہ تعالیٰ اعمال طیب ہی قبول فرماتے ہیں۔ [تنبیہ الغافلین]

☆☆☆

قارئین متوجہ ہوں!

دستک

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

آج دستک میں قارئین کے کچھ ایسے سوالات کے جوابات دیے ہیں، جن کے جوابات پہلے بھی بارہا دیے جا چکے ہیں، مگر خیر نت نئے قارئین حلقے میں آتے رہتے ہیں، اس لیے رہنمائی بھی بار بار ہونی چاہیے۔

عام طور پر سب سے زیادہ جو سوال سوشل میڈیا پر اور میسیجز، فون پر ہم سے ہوتا ہے، وہ یہ کہ ہم بچوں کا اسلام/خواتین کا اسلام سال بھر کے لیے گھر پر لگوانا چاہتے ہیں، اُس کا طریقہ کار کیا ہے؟

قارئین ملاحظہ فرمالیں کہ بچوں کا اسلام اور خواتین کا اسلام گھر پر لگوانے کے لیے، یا اگر لگوائے ہوئے ہیں اور آپ کو پہنچ نہیں رہے تو شکایت نوٹ کروانے کے لیے، نیز آپ نے بچوں کا اسلام یا خواتین کا اسلام کا کوئی خاص نمبر یا سالنامہ منگوانا ہے یا پرانے کوئی بھی شمارے تو اس کے لیے ادارے نے ایک واٹس ایپ نمبر (03213557807) طے کر رکھا ہے۔ اُس پر علاوہ اتوار کسی بھی دن صبح دس سے شام چار بجے تک نماز کے اوقات کے علاوہ رابطہ کیا جاسکتا ہے۔ بذریعہ کال بھی اور بذریعہ واٹس ایپ پیغام بھی۔ اور اگر کسی وجہ سے پہلی بار میں بات نہ ہو سکے تو دوسری بار میں بات ہو جاتی ہے۔

اس وقت ہزاروں قارئین نے اپنے گھر پر دونوں رسائل سالانہ جاری کروا رکھے ہیں، جن کی ڈاک ہر ہفتے باقاعدگی سے پوسٹ ہوتی ہے۔ اب نوٹ کرنے کی بات یہ ہے کہ جن قارئین کو ایک بار رسالہ جاری ہو جائے، چاہے انھوں نے ممبر شپ لی ہو یا اعزازی رسالہ انھیں جاتا ہو، بغیر اطلاع کیے ان کا رسالہ کبھی بند نہیں کیا جاتا، سو اگر آپ کو ایک یا زیادہ ہفتے تک رسالے نہیں ملے ہیں تو اس کی واحد وجہ جو ہو سکتی ہے، وہ ڈاک خانے کی طرف سے غفلت ہے۔

اس لیے عرض ہے کہ اگر آپ کو مسلسل دو ہفتے تک رسالہ نہ ملے تو اپنا نام اور ممبر شپ نمبر وغیرہ اوپر دیے گئے نمبر پر واٹس ایپ کر کے شکایت نوٹ کروا دیں۔ بلکہ زیادہ بہتر طریقہ یہ ہے کہ پچھلے کسی رسالے کا لفافہ موجود ہے تو اس پر جہاں آپ کا پتا ادارے نے کمپوز کروایا ہوتا ہے، اس کی تصویر لے کر اس نمبر پر واٹس ایپ کر دیں اور نیچے مختصر لکھ دیں کہ اس پتے پر اتنے اتنے ہفتوں سے رسالہ نہیں آرہا۔

یقین کیجیے، شکایت پر ہمیشہ فوراً کارروائی کی جاتی ہے۔ ڈاک خانے جا کر معاملے کی پوری پڑتال کی جاتی ہے۔ نیز کوشش کی جاتی ہے کہ کم از کم ایک ہفتہ اس پتے پر رجسٹری ڈاک سے رسالہ بھیجا جائے تا کہ قاری کو وہ رسالہ تو ہر صورت مل جائے اور وہ اپنے علاقے کے ڈاکیے سے احتجاج بھی کر سکے۔

بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک پورے سال رسالہ بھیجا جائے تو قاری کو مزید چھے سو روپے برداشت کرنے پڑ جائیں گے، اس لیے مہنگائی کے اس دور میں ہم رجسٹرڈ ڈاک کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے، البتہ یہ اہتمام ضرور ہوتا ہے کہ ہر نئے ممبر کو پہلے تین ہفتے تک بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک رسائل بھیجے جائیں تا کہ ڈاکیا کا قدم دو تین بار آپ کی چوکھٹ پر پڑ جائے اور وہ آپ کی ڈاک سے اور آپ اس سے مانوس ہو جائیں۔

کیا کیجیے جناب! ملک کے ہر شعبے، ہر محکمے کو جیسے زوال کی دیمک چاٹ رہی ہے۔ سو کبھی ڈاکیے کی منت سماجت کر کے تو کبھی رجسٹرڈ ڈاک کے حیلے کر کے ہی آج کل کام نکلوانا پڑتا ہے۔

اچھا، دیے گئے اِسی نمبر پر ایزی پیسہ اور موبی کیش اکاؤنٹس بھی بنے ہوئے ہیں۔ یہ بات اِس لیے لکھی کہ اکثر قارئین پوچھتے ہیں کہ پیسے کیسے بھیجیں؟ منی آرڈر تو بہت مشکل کام ہے۔ اُن کے لیے عرض ہے کہ اب ایزی پیسہ، موبی کیش وغیرہ کے ذریعے پیسے بھیجنا بہت ہی آسان ہے۔

بچوں یا خواتین کا الف نمبر منگوانا ہو تو بھی آپ اسی نمبر پر رابطہ کر کے منگوا سکتے ہیں۔

جن قارئین کے لیے یہ دستک نہیں تھی، انھیں اِس ہفتے بور کرنے کے لیے ہم معذرت خواہ ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ ہمارا کام ہے بھی نہیں، اس کے لیے بالکل الگ ایک شعبہ "شعبہ سرکولیشن" کے نام سے قائم ہے، جس کا نمبر اوپر دیا گیا ہے، لیکن عموماً قارئین مدیر ہی کو ہر بات کا جوابدہ سمجھتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو شاید اس لیے بھی کہ ہمارے ہاں مدیر کے ساتھ "مسئول" کا لاحقہ لگا ہوتا ہے، جس کا مطلب ہی "جس سے سوال پوچھا جائے" ہے۔

خیر کوئی بات نہیں، ہم ہیں نا آپ کی ہر خدمت کے لیے، آپ کو ہر جواب دینے کے لیے۔ آپ سب تو بس ہمیں اپنی اپنی دعاؤں میں یاد رکھا کیجیے۔

والسلام محمد فیصل شہزاد

ڈاک کا پتا: دفتر روزنامہ اسلام ناظم آباد کراچی
bkislam4u@gmail.com
021 366 099 83

سالانہ زرِتعاون: اندرونِ ملک 1200 روپے بیرونِ ملک ایک میگزین 18000 روپے دو میگزین 20000 روپے

انٹرنیٹ: www.dailyislam.pk

جیسے وہ دینا چاہے!

حافظ عبدالرزاق خان۔ ڈیرہ اسماعیل خان

"تیرے نصیب میں پڑھائی ہے ہی نہیں! تو لوگوں کی چاکری کرے گا بس! تو گھاس کھودے گا گھاس! چل بھاگ یہاں سے، جا کسی عورت کا بچہ گود میں اٹھا اور اسے گلی گلی پھرا کر اپنا جی بہلا......!"

ماسٹر جی کے الفاظ بازگشت کی طرح تواتر سے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور اس کے معصوم سے دل میں برابر چھید کر رہے تھے۔

اسے زیادہ دکھ اس بات کا تھا کہ ماسٹر جی اس کا عذر کبھی نہیں سنتے تھے۔ بس ٹیسٹ کی تیاری نہ پا کر اسے بے نقط سنائے چلے جاتے ہیں اور مارتے الگ تھے، مگر اس روز تو حد ہی ہو گئی، جب ماسٹر جی نے اسے بستہ تھما کر چلتا کر دیا۔

وہ اس دن بہت رویا تھا۔ بڑے بھیا کا خوف الگ تھا کہ انھیں پتا چل گیا تو شامت آ جائے گی۔ وہ کڑی دوپہر میں بوڑھے کیکر کے نیچے اداس بیٹھا تھا اور ماسٹر جی کی اپنے متعلق پرانی باتیں سوچ رہا تھا۔

"واہ مزمل! کیا خوب صورت لکھائی ہے۔ میں قربان! میرے شاگردوں میں ایسا خوش نویس آج تک کوئی نہیں ہوا۔ تم بہت آگے جاؤ گے مزمل......!"

"دل کرتا ہے روشنائی سے لکھے تمھارے الفاظ کو سرمے کی جگہ آنکھوں میں ڈال لوں! شاندار!"

"واہ بھئی کیا ہی نرالا انداز ہے! 'ج' اور اس کی قبیل والے حروف تو کوئی تم سے لکھنا سیکھے۔"

یہ محبتیں ماسٹر جی نے ہی تو اسے دی تھیں۔ اب نجانے کیا ہو گیا؟ وہ انھی سوچوں کے تانے بانوں میں گم تھا کہ ایک کھردری آواز نے اسے چونکا دیا۔

"مزمل! خیر تو ہے؟ فلاسفروں کی طرح بیٹھا کیا سوچ رہا ہے؟ چل اٹھ، اسے سنبھال! شام سے پہلے گھر مت آنا۔ میں نے بہت سے کام نمٹانے ہیں۔ چل اٹھ شاباش اور دھیان رکھنا اس کا۔"

یہ احکامات صادر کرتے ہی بھابی نے ننھے کو اس کی گود میں تھما دیا۔

اس میں انکار کی جرأت کہاں تھی۔ بادل نخواستہ ننھے کو گود میں ٹھونسا اور نہر کی راہ لی۔ نہر کے کنارے بچوں کی دنیا آباد تھی، مگر یہ رونق بھی اس کے دل کی یاسیت دور نہ کر سکی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ننھے سمیت گھر لوٹ آیا۔

بھابی حیران کہ پہلے تو کبھی ایسے نہیں ہوا۔

"بھابی! میں نے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔ مجھ سے نہیں سنبھالے جاتے اب بچے۔" مزمل نے بے زاری سے گویا اعلان کیا تو بھابی پھٹ ہی پڑیں:

"آنے دے اپنے بھیا کو، وہ مار لگواؤں گی کہ تیرے ٹیسٹ...... مطلب ہے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا...... ہونہہ......"

بھابی کی دھمکی سن کر وہ کانپ اٹھا۔

☆......☆

"تجھے کس نے کہا کہ اسکول آ؟ کل تجھے میں نے بھگا تو دیا تھا۔ چل اٹھ یہاں سے۔" ماسٹر جی اسے دیکھتے ہی غرائے۔

"ماسٹر جی!

آج میں نے ٹیسٹ تیار کیا ہے۔ ننھے کو بھی نہیں پھرایا کل شام کو۔"

مزمل نے معصومیت سے کہا مگر وہ نجانے اتنے غصے میں کیوں تھے کہ اس کی ہر بات سنی ان سنی کر دی اور دھکے دے کر کمرۂ جماعت سے نکال دیا۔

وہ کس سے فریاد کرتا؟ اس بے چارے کی سنتا بھی کون؟ ہیڈ ماسٹر صاحب بھی اپنے ماتحتوں کے غلط یا صحیح فیصلوں کی توثیق ہی کر دیتے تھے۔ کبھی تحقیق میں نہیں پڑتے تھے۔ اگلے روز اسے بڑے بھیا نے آٹے کی چکی پر بٹھا دیا۔

☆......☆

"چچا جان! آپ کچھ پریشان سے لگ رہے ہیں مجھے؟"

مزمل نے مالک چکی سے دریافت کیا۔

وہ تو گویا بھرا بیٹھا تھا:

"گزشتہ ہفتے حکومت کی جانب سے رمضان ریلیف پیکیج کا اعلان ہوا تھا اور یہ ہدایات جاری ہوئی تھیں کہ ہر جنس پر دس روپے فی کلو گھٹائے جائیں۔ مجھ سے ریٹ لسٹ لکھوانے میں سستی ہوئی۔ لاک ڈاؤن کے باعث چھاپے خانے پہلے سے بند ہیں۔ کل صبح ڈی سی صاحب فوڈ کنٹرولر کے ہمراہ بازار کے دورے پر آ رہے ہیں۔ سنا ہے منہ پھٹ انسان ہیں۔ کسی لیٹی سے کام نہیں لیتے۔ نئی ریٹ لسٹ نہ پا کر اپنی

ہونے والی متوقع بے عزتی کے خدشے نے پریشان کر رکھا ہے۔"

رانا صاحب نے پریشانی بتلائی تو مزمل چہک کر بولا:

"ارے چچا جان! اس میں کون سی پریشانی والی بات ہے؟ شیٹ اور قلم دوات آپ لا دیں۔ اشیاء کے نام اور نرخ میں لکھ دوں گا۔"

"ہونہہ! یہ منہ اور مسور کی دال؟ تمھیں پڑھنا آتا تو ماسٹر صاحب اسکول سے کیوں نکالتے؟"

"ارے چچا جان! چلیں مان لیا، پڑھنا نہیں آتا تو لکھنا تو آتا ہے ناں!"

مزمل مسکرایا تو رانا صاحب نے تعجب کا اظہار کیا۔

واہ عجیب کہی! بڑے تو کہتے ہیں:

ع.....لکھنا نہیں آتا تو میری جان پڑھا کر

اور چھوٹے میاں کہہ رہے ہیں کہ

"پڑھنا نہیں آتا تو لکھنا تو آتا ہے ناں، سبحان اللہ!"

"آپ کاغذ، قلم اور دوات لا کر تو دیں چچا!"

رانا صاحب بے یقینی کے عالم میں مطلوبہ اشیاء لانے کے لیے اٹھ ہی گئے۔

'ستار رمضان پیکیج'

حکومت کی طرف سے عمدہ اقدام.....جس سے ہے مہنگائی لرزہ براندام.....آیا ہے ماہِ صیام.....گندم، جو، چنا، چاول اور دیگر اجناس کے گھٹ گئے ہیں دام.....حکومتِ وقت کی خدا ترسی کو سلام.....جیوے حکومت جیوے عوام.....!

مہنگائی کی چکی میں مت پسیے بلکہ حکومتی ریلیف سے فائدہ اٹھاتے ہوئے رانا چکی سے اپنی اجناس بارعایت پسوائیے۔ شکریہ!

رانا صاحب مزمل کی لکھائی بلکہ اس کی سوچ کی یکسائی پر حیران رہ گئے تھے۔

اگلے روز ڈی سی اور اے ایف سی (ڈپٹی کمشنر اور فوڈ کنٹرولر) دونوں ہی ان جملوں سے نہ صرف لطف اندوز ہوئے بلکہ مزمل کو انعام سے بھی نوازا۔ اس روز عید سے تیس دن پہلے ہی رانا صاحب کی عید ہو گئی تھی۔

☆.....☆

آنے والے دنوں میں رانا صاحب کی شفقت اور توجہ سے مزمل نے خوش نویسی کی مشق جاری رکھی۔ اس موقع پر حسرت موہانی کا یہ شعر یاد آتا ہے۔

ہے مشقِ سخن جاری، چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے، حسرت کی طبیعت بھی

مزمل کو چھٹی میں اسکول چھڑایا گیا تھا، مگر اب اس کی لکھائی کسی ماہر خوش نویس سے کم نہ تھی۔ ہاں بسا اوقات جملوں میں گرامر اور ساخت کی غلطی بھی ہو جاتی تھی۔ جلد ہی اس مسئلے پر بھی اس نے قابو پالیا۔

☆.....☆

ابھی کورونا لاک ڈاؤن کے دنوں میں مجلسِ احرار کو ختمِ نبوت کے مسئلے پر ہنگامی میٹنگ بلانی پڑ گئی۔

اب دعوت نامے چھپوائیں تو کمپوزنگ والی دکانیں بند، اشتہار چھپوانا چاہیں تو

تاجدارِ ختمِ نبوت ﷺ زندہ باد

چھاپہ خانے بھی بند، خوب سوچ بچار کے بعد یہ طے ہوا کہ کسی خطاط کو بلا کر ان کی منت کی جائے اور معاوضہ دے کر بینر اور کتبے لکھوائے جائیں۔

اگلے روز چند خطاط مل ہی گئے۔ مزمل کی قسمت جاگ گئی تھی کہ رانا صاحب نے اسے چھٹی دے کر بلا معاوضہ کام کرنے کو بھیج دیا۔

معصوم سا دل ہو جو اخلاص سے بھرا ہو، بلا معاوضہ خدمت ہو اور بے لوث محبت ہو تو غیروں کو بھی پیار آ جاتا ہے چہ جائیکہ اللہ.....جو سب سے بڑا قدر دان ہے۔

مزمل نے دل سے سارے دعوت نامے مہارت کے ساتھ لکھے۔ علماء کی میٹنگ ہوئی اور چھوٹا سا جلسہ بھی.....مزمل نے شرکت کی تو اسے پہلی ہی مجلس میں لفظِ ختمِ نبوت سے عشق ہو گیا۔ وہ گھر آیا تو اس میں پہاڑوں سا عزم تھا اور کچھ کر لینے کا جذبہ.....!

قصہ کوتاہ.....مزمل اب میٹرک کا امتحان دینے کے لیے پر تول رہا ہے۔ پورے محلے والے اپنے بچوں کی کاپیوں پر اس سے نام لکھواتے ہیں۔ ماسٹر جی کا تبادلہ ہو گیا ہے وہ شہر کے اسکول میں چلے گئے ہیں، جہاں بچوں پر ہاتھ اٹھانا منع ہے۔ اب پتا چلے گا انھیں۔ مزمل کو تو انھوں نے اندھیروں میں دھکیل ہی دیا تھا، مگر اللہ کا نور ہے جو جب چاہے جسے چاہے، روشنیوں کی طرف لے آتا ہے۔

مزمل فارغ اوقات میں خوش نویسی کی مشق جاری رکھے ہوئے ہے اور آج کل ختمِ نبوت والی آیتوں پر قلمی مہارت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ رانا صاحب نے گاؤں کے عوامی مقامات پر اُس کے ہاتھ سے لکھی ہوئی ختمِ نبوت والی آیات کے کتبے آویزاں کرا دیے ہیں۔ آیات بھی ایسے لہراتے ہوئے حروف میں لکھی ہیں جیسے تیز تیز خنجر ہوں.....جنھیں دیکھ کر منکرینِ ختمِ نبوت کی نیندیں ویسے ہی حرام ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆

میر حجاز

20

ڈاکٹر اختر حسین عزمی

"اے عنسی نوجوان! کیا بات ہے، آج تم غمگین سے دکھائی دیتے ہو۔ آخر اتنے پریشان کیوں ہو؟ کیا اس گھر میں تمھیں کسی سے تکلیف پہنچی ہے۔"

ابوحذیفہ نے یاسر بن عامر سے پوچھا جو اپنے گھر میں آج منتقل ہونے جا رہا تھا۔

یاسر کافی عرصہ ابوحذیفہ کا مہمان رہا۔ اس نے اپنے ذاتی کاروبار میں کافی محنت کی اور جلد ہی اس قابل ہو گیا کہ اس نے مکہ کے نواح میں گھر خرید لیا۔ ابوحذیفہ کو اس نے اپنے ارادے سے آگاہ کیا تو اس نے بھی کوئی اعتراض نہ کیا لیکن ابوحذیفہ نے دیکھا کہ یاسر کچھ پریشان سا ہے، کیونکہ وہ گھر میں چاروں طرف اس طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا گویا یہاں سے منتقل ہونے پر اس کو بہت رنج ہے۔

"اللہ کی قسم! مجھے اس گھر سے کوئی تکلیف نہیں پہنچی، بلکہ تمھاری مہمان نوازی کی وجہ سے ہی تو میرا اس سرزمین میں دل لگا ہوا ہے۔"

"تو پھر کیا بات ہے؟"

"دراصل میں آپ کی باندی سمیہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

یاسر نے سر جھکا کے کہا۔

ابوحذیفہ نے یاسر کے شانے پر بے تکلفی سے ہاتھ مارا اور کہا:

"اے عنسی اس میں کیا مسئلہ ہے۔ میں اُس سے تمھاری شادی کیے دیتا ہوں، تمھارے جو بچے بھی ہوں گے، وہ آزاد ہیں۔"

"سردار قریش! آپ پر میرے ماں باپ قربان۔ کیا میں نے صحیح نہیں کہا تھا کہ تمھاری وجہ سے بنو مخزوم کا نام روشن ہے، قریش کی شان و شوکت تمہارے دم قدم سے قائم ہے اور بطحا کی عزت......"

"بس کرو یاسر! بہت تعریف کر چکے۔"

ابوحذیفہ نے نوجوان کو بیچ میں ٹوکتے ہوئے کہا۔

"اب شام کو تم میرے پاس آجانا۔ میں سمیہ سے تمھاری شادی کر دوں گا۔ پھر اپنی بیوی کو لے کر ہی اپنے گھر چلے جانا۔"

☆......☆

قریش کا تجارتی قافلہ شام روانہ ہونے کے لیے کئی دنوں سے تیاری کر رہا تھا۔

تجارتی سامان کی ترتیب، دوران سفر کی ضروریات اور دیگر تیاریاں عروج پر تھیں۔ ابوطالب بھی تجارتی سامان کے ساتھ روانہ ہو رہے تھے۔ انھیں رہ رہ کر اپنے بھتیجے کا خیال آ رہا تھا۔ وہ اہل خانہ کو بھتیجے کا خیال رکھنے کی تاکید کر رہے تھے۔ وہ ابن عبداللہ کو بہت عزیز رکھتے تھے لیکن سفر میں ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھتے تھے۔ دور دراز کا سفر، راستے میں سبزہ زار نہ دریا، لق و دق صحرا، کوسوں تک آبادی نہ پانی کا نام و نشان، ایسے میں بارہ سالہ نوخیز بچہ اکتاہٹ کا شکار بھی ہوتا اور تھکاوٹ کا بھی۔ جو سفر بڑوں کے لیے بھی پرصعوبت ہے ایک بارہ سالہ بچے کے لیے کیسے آسان ہو سکتا ہے؟

لیکن عین اُس وقت جب قافلہ روانہ ہونے لگا، ابوطالب کے بھتیجے نے اپنے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑ لی اور کہا: "چچا جان! آپ مجھے کس کے سپرد کر کے جا رہے ہیں؟"

ابوطالب عجیب کشمکش میں مبتلا تھے۔ محبت آمیز مصلحت یا محبت آمیز جذبات۔

بالآخر یتیم بھتیجے کی افسردگی شفیق چچا سے دیکھی نہ گئی اور محبت مصلحت پر غالب آگئی۔ انھوں نے کمسن مسافر کو اپنی اونٹنی پر ساتھ بٹھا لیا۔

وادیوں اور منزلوں کی مسافت، کہیں ریت ہی ریت، کہیں پتھریلے راستے اور پہاڑوں کے دامن میں کہیں نخلستان، صبح کسی سرسبز وادی میں تو شام کسی ریگستان میں۔ کسی پڑاؤ پر آرام تو کوئی منزل پرصعوبت۔ حدود حجاز سے باہر عبداللہ کے دریتیم کا یہ پہلا سفر تھا اور وہ بھی اتنا طویل اور دشوار گزار۔ سفر میں بچے اپنے بڑوں پر بار بن جاتے ہیں لیکن ابوطالب کے کمسن بھتیجے کی جفاکشی اور ہوشمندی قافلے کے بڑوں کے لیے بھی کسی معجزے سے کم نہ تھی۔ چچا کا گمان تھا کہ راستے میں کمسن بھتیجے کو سنبھالنا پڑے گا لیکن کمسن بھتیجے نے تو ہر مقام پر انتہائی مستعدی اور فرض شناسی کے ساتھ اپنے چچا کا ہاتھ بٹایا تھا۔

☆......☆

بحیرہ راہب کا اضطراب بہت بڑھ چکا تھا۔ وہ اپنی کھڑکی سے باہر عربوں کے قافلے کو اترتے دیکھ رہا تھا جو اکثر آتے جاتے اس کی خانقاہ کے سامنے والے میدان میں ایک دو دن کے لیے ٹھہر جایا کرتے تھے، لیکن اس نے ان قافلوں پر کبھی توجہ نہ دی تھی۔

لیکن آج تو اس کی نظریں قافلے کے ایک بچے پر ٹک کر ہی رہ گئی تھیں۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ ایک اس نوخیز پر بادل کا ایک ٹکڑا سایہ فگن ہے۔ وہ بچہ جہاں جاتا ہے، بادل کا ٹکڑا اس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ قافلے والوں کی اکثریت شدید دھوپ سے بچنے کے لیے ایک درخت کے سائے میں سمٹ گئی تھی، بچہ جب وہاں پہنچا تو وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ دوسروں کو تکلیف دیے بغیر دھوپ ہی میں بیٹھ گیا اور راہب کے لیے یہ دوسری حیرانی کی بات تھی کہ درخت بچے کی طرف جھک گیا اور اسے اپنے سایے میں لے لیا۔

راہب اس بچے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا رہا۔

بحیرا راہب ملک شام کے سرحدی تجارتی شہر بصری کے نواح میں قائم اس خانقاہ میں عرصہ دراز سے مقیم تھا۔ اس کا نام جرجیس تھا لیکن تقویٰ شعاری اور علم و دانش میں اتنا علامہ روزگار اور نابغہ عصر تھا کہ تمام عیسائی علما اور راہب اسے سریانی زبان میں بحیرا کہتے تھے۔ اسے ان علوم کا امین سمجھا جاتا تھا جو حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حواریوں کے بعد ان کے راہبوں کے ہاں سینہ بسینہ منتقل ہوتے آرہے تھے۔ انسانیت کے بگاڑ کے دور میں آنے والے جس نجات دہندہ کی آمد کا وہ منتظر تھا، اس کے اپنے علم کے مطابق اس کا زمانہ اب قریب آ لگا تھا۔ آنے والے محسن انسانیت کی کیا نشانیاں ہوں گی، اس الہامی علم کا بھی وہ وارث سمجھا جاتا تھا۔

کہیں یہ نونہال وہی تو نہیں جس کی نشانیاں ہماری کتابوں میں مرقوم ہیں، اسے قریب سے دیکھنا چاہیے۔ یہ سوچ کر اس کے قدم بے ساختہ اہل قافلہ کی طرف اٹھ گئے۔ اہل قافلہ اسے اپنے قریب آتے ہوئے دیکھ کر حیران تھے کہ وہ راہب جو سالہا سال اپنی خانقاہ سے نہیں نکلتا تھا، آج کیسے ان کے درمیان آ کھڑا ہوا ہے!

(جاری ہے)

پچھتاوا

کاوش صدیقی

ہماری طرح وہ شخص بھی ٹرین کے انتظار میں فون پر باتیں کرتے کرتے ٹہل رہا تھا، اور وہی نہیں کئی اور بھی ٹرین کے انتظار میں اسی طرح وقت گزار رہے تھے۔

ٹرین حسب دستور اپنے مقررہ وقت سے دو گھنٹے لیٹ ہو چکی تھی۔

فہد نے مجھ سے پوچھا: ”بابا! یہ ٹرینیں کب وقت پر آنا شروع کریں گی؟“

میں نے جواب دیا:

”شاید تمھارے بچے ٹرین کی پابندی وقت کا لطف اٹھا سکیں!“

وہ شخص ہم باپ بیٹے کی بات سن کر ہنسنے لگا۔ چہرے مہرے سے وہ ایک پڑھا لکھا کاروباری آدمی لگتا تھا۔

اس نے کہا: ”ایک زمانہ تھا کہ جب ٹرینیں کیا تمام کام ہی وقت کی پابندی کے ساتھ ہوتے تھے۔“

اچانک اعلان ہونے لگا:

”کراچی سے آنے والی بزنس ٹرین پلیٹ فارم نمبر 3 پر آ رہی ہے۔“

یہ اعلان سنتے ہی اسٹیشن پر ہلچل مچ گئی۔

لوگ پلیٹ فارم کے بالکل کنارے ہو کر یوں ٹرین دیکھنے لگے کہ جیسے پہلی بار دیکھنے کا اتفاق ہو رہا ہو۔

میں نے فہد سے کہا: ”پیچھے رہنا۔ ہمارے مہمان ڈبہ نمبر سات میں ہوں گے۔ وہ ڈبہ تقریباً جہاں ہم کھڑے ہیں، یہیں رکے گا......!“

”جی بابا......!“ فہد نے کہا اور ذرا پیچھے ہو کر کھڑا ہو گیا۔

پھر ٹرین کے بھاری پہیوں کی گڑگڑاہٹ ہوئی اور ٹرین آہستہ آہستہ پلیٹ فارم میں داخل ہونے لگی۔

ٹرین کے قریب آتے ہی سامان اٹھانے کے لیے قلیوں کی دوڑ بھاگ شروع ہو گئی۔

ٹرین کے رکتے رکتے کئی لوگ ڈبوں میں چڑھ گئے۔ میرے سامنے آٹھ نمبر ڈبہ آ کے رکا۔ مجھے کھڑکی میں سے بھائی جان دکھائی دے گئے۔ وہ کھڑکی میں سے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ ہم نے بھی ہاتھ ہلا کے انھیں خوش آمدید کہا۔

تھوڑی دیر میں بھائی اور ان کے بڑے صاحبزادے اپنے سوٹ کیس لیے باہر آ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک اور صاحب بھی جو وہیل چیئر پر بیٹھے ہوئے تھے، اترنے لگے، جنھیں میرا بھتیجا عمران سہارا دے کر اتار رہا تھا۔ ساتھ ہی بیساکھیاں بھی رکھی تھیں۔

بھائی نے بغل گیر ہوتے ہوئے پوچھا:

”انھیں پہچانا؟“ انھوں نے بیساکھی والے صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

میں انھیں غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اچانک مجھے یاد آ گیا۔ وہ محب بھائی تھے۔ ہنس مکھ، خوش مزاج، لطیفے باز اور بے حد مسخرے۔

”ارے محب بھائی......!“ میں نے چلا کے کہا اور ان کے گلے لگ گیا۔

”آپ کیسے ہیں؟ کئی برسوں کے بعد آپ کو دیکھا، اور یہ کیا کر لیا؟“

میں نے ان کی بیساکھیوں کی طرف اشارہ کیا۔

وہ بولے: ”ارے بھئی یہ لمبی کہانی ہے۔ میں تو سوچ رہا تھا کہ تم مجھے پہچانو گے بھی یا نہیں؟ اتنے سے تھے تم بلکہ اس سے بھی چھوٹے......!“

انھوں نے فہد کی طرف اشارہ کیا۔

”ماشاءاللہ تمھارا بیٹا ہے نا......!“ وہ خوش ہو کر بولے۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا، پھر ہم سب نے باہر کا رخ کیا۔

بھتیجے عمران نے کہا: ”چاچو! میں گاڑی چلاؤں......!“

”ضرور بھائی جان......!“

فہد نے جلدی سے گاڑی کی چابی عمران کے سپرد کر دی۔

ہم لوگ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گھر کی طرف چل دیے۔

راستے میں خوب باتیں ہوتی رہیں۔ محب بھائی بالکل ویسے ہی تھے جیسے میں نے پینتیس سال قبل انھیں دیکھا تھا۔

میں نے گھر فون کر کے بچوں سے ایک کمرہ صاف کرنے کے لیے کہہ دیا اور جب تک ہم گھر پہنچے، وہاں استقبالیہ تیار تھا۔

اشک کی برسات میں

دن میں سوتا جاگتا ہوں رات میں
مجھ سے ملیے رات کے اوقات میں

کیونکہ میں فی الحال نومولود ہوں
آ نہیں سکتا ہر اک کے ہاتھ میں

ہنس رہے ہیں لوگ مجھ کو دیکھ کر
رو رہا ہوں میں جبھی ہر بات میں

بند کرکے آنکھ، کرکے گول منہ
غور کرتا رہتا ہوں حالات میں

گو ابھی آیا ہوں دنیا میں مگر
ہاں ابھی سے ہی اجل ہے گھات میں

کس طرح رب نے بنایا ہے مجھے
غور کیجیے رب کی تخلیقات میں

چشم عارف مانگیے اللہ سے
دیکھیے صانع کو مصنوعات میں

سہہ رہا ہوں غم زمانے کے جبھی
بہہ رہا ہوں اشک کی برسات میں

اثر جونپوری

گھر میں سب بچے اپنے تایا ابو اور بھائی سے مل کے بے حد خوش ہوئے۔
بھائی جان نے کہا: ''میں سب سے پہلے چائے پیوں گا پھر باتیں ہوں گی، لیکن جب تک چائے تیار ہو، میں غسل کر لوں......؟''

''ہاں غسل تو میں بھی کروں گا......!''

محب بھائی نے کہا، پھر میری طرف رخ کر کے بولے۔

''میرے اچانک آنے سے تمھیں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟''

''بہت زیادہ......؟'' میں نے ہنس کر کہا۔

''تو پھر تکلیف اٹھاؤ......!''

انھوں نے برجستہ کہا اور غسل خانے کی طرف بڑھ گئے۔

جتنی دیر میں چائے اور ناشتا ٹیبل پر لگا، اتنی دیر میں دونوں غسل کر کے آ گئے، جبکہ عمران نے منہ ہاتھ دھونے پر اکتفا کیا تھا۔

چائے کی میز پر جو باتیں شروع ہوئیں تو پھر پتا ہی نہیں چلا کہ کب رات گہری ہو گئی۔ لڑکے بالے الگ عمران کے ساتھ گپیں لڑا رہے تھے اور ہم تینوں اپنی باتوں میں مصروف تھے۔

احد نے کھانا لگنے کی اطلاع دی تو ہم لوگوں کو احساس ہوا کہ باتوں میں پچھے سے رات کے پونے دس بج گئے ہیں۔

کھانے کے بعد میں نے پوچھا:

''محب بھائی! یہ کیا حادثہ تھا۔ جس کی وجہ سے آپ کو بیساکھیاں لگ گئیں؟''

وہ میری بات سن کر اچانک چپ ہو گئے۔ اُن کے چہرے کے خوش گوار تاثرات سنجیدگی میں بدل گئے اور وہ سر جھکائے کچھ سوچنے لگے۔

مجھے افسوس ہوا کہ میں نے ناحق ان کے کسی زخم کو کرید دیا۔

''معذرت محب بھائی! شاید مجھے یہ بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔''

''نہیں......نہیں......!'' وہ فوراً بولے:

''تم نے اچھا کیا کہ یہ سوال کیا، لیکن......!''

یہ کہہ کر وہ رکے اور پھر بولے: ''میں چاہتا ہوں کہ بچے بھی میری کہانی سن لیں تا کہ ان کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ اللہ تعالیٰ بے رحم لوگوں کو پسند نہیں کرتے اور جو دوسروں پر رحم نہیں کرتا، ان پر بھی دنیا آخرت میں رحم نہیں کیا جاتا......!'' وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئے۔

میں حیرت سے انھیں دیکھنے لگا۔

بہر حال احد، فہد، عمران سمیت سبھی ہمہ تن گوش ہو گئے۔

محب بھائی نے کہنا شروع کیا۔

''جیسا کہ تمھیں معلوم ہے کہ ہم دو بھائی تھے۔ میں محب اللہ اور بڑے بھائی محسن اللہ۔ میں ہمیشہ کا لاپروا، لاابالی تھا۔ گریجویشن کرنے تک یونہی ہوا کرتا تھا۔ ابو کا تو بہت پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے چھوٹا ہونے کے باعث میرے لاڈ بھی زیادہ اٹھائے جاتے تھے اور اسی لاڈ پیار نے مجھے خود سر اور بدتمیز بنا دیا تھا۔

اے اللہ!

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَسْئَلُکَ مِمَّا عِنْدَکَ وَ اَفِضْ عَلَیَّ مِنْ فَضْلِکَ وَ انْشُرْ عَلَیَّ مِنْ رَّحْمَتِکَ وَ اَنْزِلْ عَلَیَّ مِنْ بَرَکَاتِکَ۔ (حیاۃ الصحابہ)

اے میرے اللہ! میں ان نعمتوں میں سے مانگتا ہوں جو تیرے پاس ہیں اور اپنے فضل کی مجھ پر بارش فرما اور اپنی رحمت مجھ پر پھیلا دے اور اپنی برکت مجھ پر نازل کر دے۔

خیر امی نے جلد ہی محسن اللہ بھائی کی شادی کر دی۔ ہمارے بھابی بہت خوش مزاج اور سلیقہ مند خاتون تھیں۔ انھوں نے آتے ہی سارا گھر سنبھال لیا اور پھر کچھ ہی ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں چاند سا بیٹا ندیم عطا کر دیا۔ بھتیجے کی آمد سے مجھے بھی بہت خوشی ہوئی۔ وہ ہمارے خاندان کا پہلا بچہ تھا، لہٰذا ظاہری بات تھی کہ سب کی توجہ اسی پر تھی۔ اور انہی دنوں میں مجھے احساس ہوا کہ جب سے بھائی جان کی شادی ہوئی اور بھابی آئی ہیں، مجھ پر سب کی توجہ کم ہو گئی اور ندیم میاں کی آمد کے بعد تو جیسے لوگ یہ بھول ہی گئے کہ کوئی محب اللہ بھی گھر میں رہتا ہے!

بھائی جان تو صبح دکان پر چلے جاتے۔ میں دیر سے ہی جاتا تھا، اور وہ بھی کبھی گیا کبھی نہ گیا۔ اب امی بھی مجھے لاپروائی پر ڈانٹنے لگی تھیں۔

میں بجائے اس کے کہ اپنی غلطیوں کو تسلیم کرتا، نجانے کیا ہوا کہ ان سب کو اور خصوصاً ندیم کو اپنا دشمن سمجھنے لگا۔

پھر ایک دن اچانک بھائی جان کا بڑا حادثہ ہو گیا اور وہ موقع پر ہی انتقال کر گئے۔

ہم پر تو جیسے قیامت ٹوٹ پڑی۔ کئی دنوں تک ہوش و حواس ٹھکانے میں نہ آئے، پھر امی نے ہمت دکھائی اور مجھے کہا: 'دکان کی خبر لو۔ اتنے دنوں سے بند پڑی ہے۔'

میں نے کہا: 'یہی بات تو یہ ہے کہ مجھے دکان کے معاملات کا کچھ زیادہ پتا ہی نہیں، ہر قسم کا لین دین بھائی جان ہی کرتے تھے......!'

امی نے کہا: 'جب بیٹھو گے تو پتا چلے گا......! اب وقت پڑا ہے تو کرنا ہی پڑے گا۔ بیٹھو گے، کرو گے تو سیکھو گے......!'

امی کے کہنے پر میں نے دکان سنبھال لی۔ روپیہ پیسہ ہاتھ آیا۔ اختیار ملا تو میرا مزاج بدلنے لگا۔ اختیار اور پیسہ اگر کم ظرف کے ہاتھ لگے تو وہ بہت برا کرتا ہے، جیسا میں نے کیا۔ دکان پر گوہر نام کا ایک لڑکا تھا۔ خوشامدی اور چرب زبان، اور خوشامد کس کو اچھی نہیں لگتی! وہ خوشامد کرتا، چاپلوسی کرتا اور گھر والوں کے خلاف میرے کان بھرتا اور میں اس کی باتوں میں آ جاتا۔ میں خود کو پورے کاروبار کا مالک سمجھنے لگا اور یہ بھول گیا کہ ابو کے انتقال کے بعد محسن بھائی نے کس طرح اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ کے مجھے گریجویشن کروایا، دکان جمائی اور دن رات محنت کر کے ہمیں آرام پہنچایا۔

بھابی اور ندیم تو مجھے پہلے ہی برے لگتے تھے۔ اب جب پیسے کا اختیار ملا تو میں گھر میں آہستہ آہستہ پیسے کم دینے لگا۔

ندیم میاں ان دنوں گھٹنوں گھٹنوں چلنے لگے تھے اور وہ سیڑھیاں چڑھ جاتے تھے۔

ایک دن ایسے ہی اوپر کا دروازہ کھلا رہ گیا اور ندیم میاں سیڑھیاں چڑھتے چڑھتے چھت پر پہنچ گئے۔ چھت پر کوئی حفاظتی دیوار نہیں تھی۔ وہ تو جب ندیم میاں نے چھت پر جھانک کر ماما...... ماما کہا اور بھابی نے اوپر دیکھا، اور جیسے ان کی جان ہی نکل گئی۔

'محب! اسے پکڑو......!' بھابھی نے چلا کے کہا۔

میں نے دیکھا کہ ندیم میاں بالکل کنارے پر تھے، مگر میں نے کہا:

'آپ خود ہی جا کر لے آئیں......!'

'ارے پاگل ہوا ہے، جا اٹھ کے اسے پکڑ لا!' امی نے چلا کر مجھے ڈانٹا، مگر میں اپنی جگہ بیٹھا رہا۔ نجانے کیوں میرا دل بے حد سخت ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا ہی نہیں کہ ننھی سی جان اگر اوپر بیس فٹ سے گرے گی تو اس کا کیا حشر ہوگا؟

مجھے ڈھٹائی سے بیٹھا دیکھ کر آخر بھابی اور امی ہی بھاگتی ہوئی اوپر گئیں۔ امی سے بھلا کہاں اتنی تیزی سے سیڑھیاں چڑھی جاتی تھیں، مگر پوتے کی محبت نے انھیں خوف زدہ ہو کر چوکڑیاں بھرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

بھابی اور امی بجلی کی طرح سے اوپر پہنچیں۔ بھابی نے جلدی سے ندیم کو پیچھے کھینچا۔ امی نے سینے سے لگایا۔ چند لمحے وہ سانس درست کرتی رہیں، پھر امی تو وہیں بیٹھ گئیں ندیم کو گود میں دبوچ کے جبکہ بھابی روتی ہوئی نیچے اترنے لگیں کہ شاید آنسوؤں سے نظر دھندلا گئی کہ وہ سیڑھی سے نیچے اترتے ہوئے پھسل گئیں اور لڑھکتے ہوئے نیچے آ گریں اور زخمی ہو گئیں۔

اب امی کی چیخ پکار کے سامنے میں بیٹھا نہیں رہ سکتا تھا، بدقت اٹھا اور انھیں گاڑی میں اسپتال لے گیا۔ معلوم ہوا کہ بیوہ بھابی کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔

اس وقت مجھے یہ جان کر تھوڑا سا افسوس ہوا کہ میری بے حسی اور بے رحمی نے کیا کر دیا تھا، مگر بھابھی نے ایک لفظ نہیں کہا۔

وہ صابر و شاکر بالکل چپ رہیں، مگر ان کا صبر مجھ پر اور طرح سے آ پڑا۔ کچھ ہی دنوں بعد میرا سڑک پار کرتے ہوئے حادثہ ہو گیا اور میری دونوں ٹانگیں ایک ٹرک کے نیچے کچلی گئیں۔"

محب بھائی چپ ہو گئے۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ کمرے میں افسردہ خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر بعد ان کی آواز دوبارہ بلند ہوئی۔

"آخر بھابی کے بھائی نے نوکری چھوڑ کے ہماری دکان آ کے سنبھالی۔ بڑی محنت کی۔ میں تو تقریباً چھ ماہ تو بستر پر ہی پڑا رہا۔ امی تو پے بہ پے غموں سے نڈھال ہو کر بستر سے لگ گئیں۔ بے چاری بھابی اپنی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کے ساتھ میری بھی دیکھ بھال کرتیں اور ندیم کو بھی سنبھالتیں۔ اس واقعے کے بعد امی کو چپ لگ گئی۔ انھوں نے مجھ سے بات کرنا چھوڑ دی تھی اور پھر چند ماہ کے بعد وہ ہمیں چھوڑ گئیں۔

میں نے اللہ سے بہت توبہ کی، بعد میں بھابی سے میرا نکاح ہو گیا۔ ندیم اب مجھے بہت محبوب ہے، مگر جو ایک پھانس میرے دل میں باقی رہ گئی وہ یہ ہے کہ امی نے مجھے معاف نہیں کیا۔ میں آج بھی تصور میں ان کا اداس اور ناراض چہرہ دیکھتا ہوں تو میری نیند تو کیا سکون بھی اڑ جاتا ہے......!"

وہ چپ ہو گئے پھر بچوں اور ہماری طرف دیکھ کر بولے: "بچو! میں نے اپنا اعتراف جرم اس لیے سنایا ہے کہ کبھی پیسے اور اختیار کے چکر میں آ کر بے رحم مت بننا، ورنہ اللہ پاک اپنے بندوں کے ساتھ بے رحمی سے پیش آنے والے کو نہ دنیا میں معاف کرتے ہیں نہ آخرت میں......!"

محب بھائی چپ ہو گئے تو کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

☆☆☆

سوال: گھروں میں پانی ہونے کے باوجود اکثر لوگ مسجد میں جا کر وضو کرتے ہیں۔ کیا مسجد میں جا کر وضو کرنا صحیح ہے؟ اور گھر سے وضو کر کے آنے کا کیا زیادہ ثواب ہے؟

جواب: گھر میں پانی ہونے کے باوجود مسجد کے پانی سے وضو کرنا صحیح ہے، تاہم نمازی کا گھر سے وضو کر کے مسجد جانے میں بہت بڑا ثواب ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی عادت ہے۔ ایسے لوگوں کو اتنا ثواب ملتا ہے جتنا کہ حاجیوں کو احرام کی حالت میں ملتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جو اپنے گھر سے وضو کر کے فرض نماز کے لیے مسجد کی طرف نکلتا ہے اس کا ثواب اس حاجی کے مانند ہوتا ہے جو احرام کی حالت میں ہو۔" (ابن ابی داؤد)

(استفادہ: دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن)

مسکراہٹ کے پھول

☆......ایک بے وقوف کو کسی دعوت میں بلایا گیا یہ آ گیا......
لوگ کھانا کھانے لگے مگر یہ شامیانے کو تکتا رہا، شامیانے کے دروازے بند کر دیے گئے تھے، کسی نے کہا: ''بھئی کھاتے کیوں نہیں؟'' اس نے کہا:
''میں بہت حیران ہو رہا ہوں یہ پورا شامیانہ بند ہے تو میں اندر کیسے آ گیا۔''

☆......ایک بڑھیا کسی کے ہاں تعزیت کے لیے گئی، وہاں ایک شخص کو بیمار دیکھا تو کہنے لگی: ''دیکھو مجھے چلنے میں بہت تکلیف ہوتی ہے لہٰذا اللہ تمہیں اس بیمار کی موت پر بھی تسلی عطا فرمائے۔'' اور ایڈوانس میں تعزیت کر گئی......

☆......ایک بے وقوف نے اخروٹ خریدا اور اسے الٹنے پلٹنے لگا، پھر اپنے ایک ہاتھ میں پکڑ لیا اور کہنے لگا: ''مجھے اس کے اندر کوئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔''
پھر کہنے لگا: ''استغفر اللہ! کہیں اس اخروٹ کی غیبت نہ ہو جائے۔''
(بنت مولانا محمد رحیم۔ کراچی)

☆...... پاگل خانے میں ایک پاگل چھت والے پنکھے کے ساتھ الٹا لٹکا نظر آیا تو ڈاکٹر نے پوچھا: ''الٹے کیوں لٹکے ہوئے ہو؟''
پاگل نے جواب دیا: ''میں ایک بلب ہوں۔''
ڈاکٹر نے کہا: ''تب تمہاری روشنی کو کیا ہوا؟''
اس نے فوراً کہا: ''اس وقت لوڈشیڈنگ ہے۔''

☆......ڈاکٹر: ''دوا کے ساتھ پرہیزی غذا لینی ہے۔''
مریض: ''پرہیزی غذا کھانے سے پہلے کھانی ہے یا بعد میں؟''
(ابن یوسف۔ جھنگ صدر)

☆......ایک کنجوس باپ اپنے بیٹے کی کامیابی پر خوش ہو کر کہنے لگا: ''بیٹا! جو مانگنا ہے مانگو۔'' بیٹے نے فوراً کہا: ''ابا! ایک منٹ سوچنے کے لیے دیں۔''
کنجوس باپ: ''ٹھیک ہے بیٹا! لے لو۔''
بچہ کچھ دیر بعد بولا: ''ابا جان! ایک کار مجھے لے دیں۔''
کنجوس باپ: ''بیٹا! تم نے ایک منٹ سوچنے کے لیے مانگا تھا وہ میں نے دے دیا، اب عیش کرو۔'' (حافظ سعید الرحمن انصاری۔ کراچی)

☆......امیدوار نے انٹرویو لینے والے افسر سے کہا: ''جناب نوکری کی تلاش میں میرے جوتے گھس چکے ہیں۔''
افسر نے کہا: ''تم انٹرویو کے درمیان یہ بات کوئی پانچ بار دوہرا چکے ہو۔ پہلے فیصلہ کر لو کہ تمہیں نوکری چاہیے یا جوتے۔''

☆......ایک کنجوس صبح اٹھا تو دیکھا کہ اس کی بیوی مر گئی ہے۔ روتا ہوا بیٹی کے پاس باورچی خانے میں گیا اور کہنے لگا: ''بیٹی! تیری ماں اب اس دنیا میں نہیں رہی، اس کا پراٹھا مت پکانا۔'' (مسعود اظہر، غلام نبی۔ صادق آباد)

درست مقام

انتخاب: احمد سدیس

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ، چڑیا گھر میں گھنے سایہ دار درخت کے نیچے لیٹے ہوئے اونٹ سے اس کے بچے نے پوچھا: ''ابا! یہ ہماری کمر پر کوہان کیوں ہے؟''
ابا اونٹ نے جواب دیا: ''بیٹا! صحرا میں سفر کرتے ہوئے میلوں دور تک پانی کا نام و نشان تک نہیں ہوتا، ایسے میں قدرت نے ہمارے اندر چربی کا ایک اضافی خانہ بنا دیا ہے، جس کی طاقت کے ذریعے ہم کئی روز تک صحرا کی بھوک اور پیاس کو برداشت کر سکتے ہیں۔''
اونٹ کے بچے نے حیران ہوتے ہوئے چند لمحے کچھ سوچنے کے بعد کہا:
''ٹھیک ہے، لیکن یہ ہمارے پاؤں گول اور ٹانگیں لمبی کیوں ہوتی ہیں؟''
اونٹ نے بچے کو سمجھاتے ہوئے کہا:
''ہمیں لمبے عرصے تک صحرا میں سفر کرنا پڑتا ہے، صحرا میں ریت ہی ریت ہوتی ہے، جس میں چلنے کے لیے ہمارے پاؤں کی گول ساخت اور لمبی ٹانگیں ہماری مددگار ہوتی ہیں، ورنہ ہم چلتے چلتے ریت میں دھنس جائیں تو نکلنا دشوار ہو جائے گا۔''
اونٹ کا بچہ سمجھنے والے انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہنے لگا:
''ابا! ہماری آنکھوں کے آگے لمبی لمبی پلکیں کیوں ہیں؟ مجھے تو اکثر ان کی وجہ سے دیکھنے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے۔''
اونٹ نے جواب دیا: ''بیٹا! صحرا میں ہر وقت ریت سے بھری ہوئی ہوائیں چلتی ہیں، کبھی کبھی تو ریت کے بڑے بڑے طوفان بھی آ جاتے ہیں، یہ لمبی پلکیں، ریت اور مٹی سے ہماری آنکھوں کو بچاتی ہیں۔''
اونٹ کا بچہ یہ سب سن کر بڑا حیران ہوا، مزید سوچتے ہوئے کہنے لگا: ''اچھا ابا! یہ بتائیے، ہمارے نتھنے اتنے بڑے کیوں ہوتے ہیں؟''
اونٹ نے کہا: ''صحرا کی شدید گرمی میں جب ہمارے جسم کی چربی پگھلنے لگتی ہے تو جسم کا اندرونی درجہ حرارت بڑھنے لگتا ہے تو بڑے نتھنوں کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ان کے ذریعے ہم زیادہ مقدار میں حرارت خارج کر کے اپنے جسم کے درجہ حرارت کو معتدل رکھ سکتے ہیں۔''
اونٹ کے بچے نے جب اپنے تمام سوالات کے جوابات جان لیے تو اپنے باپ سے کہنے لگا: ''جب ہماری جسمانی ساخت اور جسم کا ہر عضو صحرا میں رہنے کے لیے بنا ہوا ہے تو مجھے یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ پھر ہم اس چڑیا گھر میں کیا کر رہے ہیں؟''
اس بات کا مگر ابا اونٹ کے پاس کوئی جواب نہ تھا......!
آپ چاہے جتنے بڑے کسی فن کے ماہر کیوں نہ ہوں، جب تک آپ اپنی قابلیت اور صلاحیت کے مطابق درست مقام پر نہ ہوں، تب تک علم، تجربہ، مہارت اور ہنر سب بیکار ہے۔ کیوں کہ ہیرا جب تک جوہری کے ہاتھوں میں نہ پہنچے، تب تک وہ کوئلے کے بھاؤ بکتا رہتا ہے۔

☆☆☆

بدن کوڈ 3

خلیے کا دل نیوکلیس ہے۔ اس میں خلیے کا ڈی این اے پایا جاتا ہے، اور اپنے سائز کے حساب سے یہ ایک انتہائی کم جگہ پر قید ہے۔ جس وجہ سے یہ نیوکلیس اتنی کم جگہ میں سما جاتا ہے، وہ اس کا بہت ہی باریک ہونا ہے۔ اگر ڈی این اے کے بیس ارب دھاگوں کو ساتھ ساتھ رکھا جائے تو یہ انسانی بال کی موٹائی کے برابر ہوں گے۔

ہر خلیے میں ڈی این اے کے دو دھاگے موجود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب اس کو کھول کر اکٹھا رکھا جائے تو یہ پلوٹو تک پہنچا دے گا۔

ڈی این اے کی موجودگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے۔ مزید ڈی این اے تخلیق کرنا۔ آپ نے بائیولوجی کی کتاب میں پڑھا ہی ہوگا کہ یہ دو دھاگوں سے مل کر بنتا ہے جو آپس میں ڈنڈوں سے جڑ کر چکر دار سیڑھی بناتی ہیں جسے (double helix) کہا جاتا ہے۔ ڈی این اے میں محض آپ کو بنانے کی ہدایات درج ہیں۔ یہ ٹکڑوں میں بنا ہے جو کروموسوم کہلاتے ہیں اور اس کا انفرادی یونٹ جین کہلاتا ہے۔ تمام جین مل کر آپ کا جینوم بناتے ہیں۔

ڈی این اے انتہائی مستحکم ہے۔ یہ دسیوں ہزار سال باقی رہ جاتا ہے اور یہ ممکن کرتا ہے کہ ہم ہزاروں سال پہلے کی اینتھروپولوجی پڑھ سکیں۔ آپ کی ملکیت میں کوئی بھی شے کوئی خط، کوئی زیور اور کوئی قیمتی وراثت، آج سے ایک ہزار سال بعد موجود نہ ہوگی لیکن آپ کا ڈی این اے کہیں نہ کہیں باقی ہوگا اور ڈھونڈنے والے کھول سکے گا۔

ترجمہ و تلخیص: سروہارا امبارکر

ڈی این اے بہت ہی غیر معمولی صحت کے ساتھ اپنی انفارمیشن آگے بڑھاتا ہے۔ کاپی ہوتے وقت ایک ارب میں سے صرف ایک آدھ ہی غلطی ہونے کا امکان ہوتا ہے۔ یہ ہمارے کسی بھی صنعتی پراسس سے زیادہ بہترین اور غلطی سے پاک ہے، لیکن چونکہ ہمارے خلیے اس قدر زیادہ بار تقسیم ہوتے ہیں کہ ایک تقسیم کے وقت تقریباً تین غلطیاں ہو سکتی ہیں۔ یہ میوٹیشن ہیں، اور زیادہ تر میوٹیشن کو جسم نظر انداز کر جاتا ہے لیکن کبھی کبھار کوئی ایسی غلطی ہو جاتی ہے جس کے طویل مدتی اثرات ہوتے ہیں۔

☆......☆

جینوم کے اجزا کا ایک ہی مقصد ہے: آپ کے وجود کو قائم رکھنا۔

آپ کے جین بہت ہی قدیم انفارمیشن رکھتے ہیں۔ آپ فوت ہو جائیں گے اور بھلا دیے جائیں گے لیکن یہ جین چلتے رہیں گے، جب تک کہ آپ کی اولاد آگے سے آگے بڑھتی گی، اور آپ کی اپنی وراثت کی یہ لائن ہزاروں سال سے بغیر رکے چلتی رہی ہے، جس نے آپ کا وجود ممکن کیا ہے۔ جینیاتی مادے کا یہ تسلسل برقرار رہا ہے۔ آپ کے موجود ہونے کے لیے آپ کے اجداد کو اپنے جین آگے سے آگے منتقل کرتے رہنے تھے، اور کسی ایک کی بھی ناکامی کا مطلب ہوتا کہ یہ ختم ہو جاتا، لیکن یہ حیرت انگیز کامیابی کی زنجیر ہے جس کی وجہ سے آپ یہاں پر ہیں۔

جین کرتی کیا ہیں؟ یہ پروٹین بنانے کی ترکیب مہیا کرتی ہیں۔ جسم میں سب سے مفید شے پروٹین ہیں۔ کچھ کیمیائی ری ایکشن کی رفتار تیز کرتی ہیں۔ انھیں انزائم کہا جاتا ہے۔ کچھ کیمیائی پیغامات کی ترسیل کرتی ہیں۔ انھیں ہارمون کہا جاتا ہے۔ کچھ جسم کو ضرر پہنچانے والے پیتھوجن پر حملہ آور ہوتی ہیں، انھیں اینٹی باڈی کہا جاتا ہے۔

سب سے بڑی پروٹین ٹائٹن ہے جس کا کام پٹھوں کی لچک کو کنٹرول کرنا ہے۔ اس کا کیمیائی نام (189,819) حروف پر مشتمل ہے۔ یہ انگریزی کی لغت کا سب سے بڑا لفظ ہوتا لیکن کیمیائی نام لغت میں قبول نہیں کیے جاتے۔ کسی کو معلوم نہیں کہ ہم میں کتنی قسم کے پروٹین ہیں لیکن یہ تخمینہ چند لاکھ سے لے کر دس لاکھ سے زیادہ تک کا ہے۔
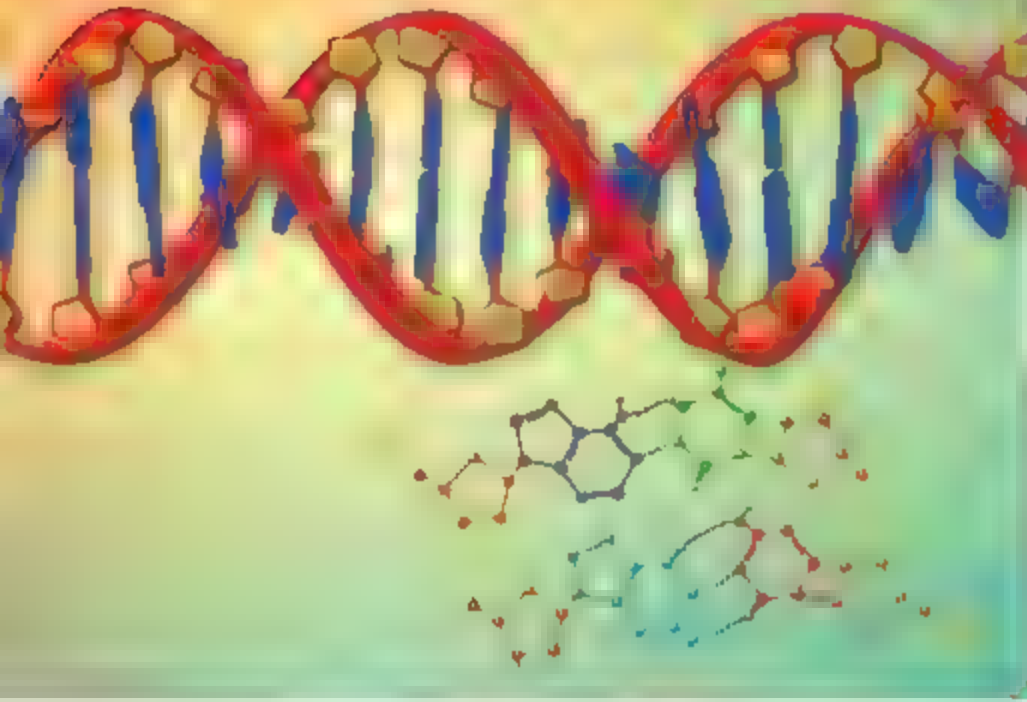
جینیات کے فرق کی وجہ سے ہم سب بہت مختلف ہیں لیکن جینیاتی لحاظ سے ایک ہی جیسے ہیں۔ تمام انسان (99.9) فیصد جین شیئر کرتے ہیں، لیکن کوئی بھی دو شخص ایک سے نہیں ہوتے۔ میرے اور آپ کے ڈی این اے میں تیس سے چالیس لاکھ جگہوں پر فرق ہوگا، جو کہ کل ڈی این اے کا بہت ہی تھوڑا سا حصہ ہے، لیکن یہ ہم میں پائے جانے والے بہت سے فرق کی وجہ ہے۔ آپ میں سو کے قریب ذاتی میوٹیشن ہوں گی۔ ایسی جینیاتی ہدایات کے حصے جو آپ کے والدین کی طرف سے نہیں آئے بلکہ خالصتاً آپ ہی کے ہیں۔

(جاری ہے)

بادشاہی مسجد... لاہور

محمد اقراش عاصم، خوشاب

لاہور کی تاریخی عمارات میں اورنگزیب عالمگیر کی بنوائی ہوئی بادشاہی مسجد سادگی، مضبوطی اور جاہ وجلال کا پرکشش شاہکار ہے۔ یہ دمشق کی الولید مسجد کے نمونے پر ہے، اور یہ دنیا کی بڑی مساجد میں سے ایک ہے۔ یہ سرخ پتھر اور سنگِ مرمر سے بنائی گئی ہے۔ یہ 1673ء میں گورنر پنجاب فدائی خان کی نگرانی میں بنی۔ یہ ایک بلند چبوترے پر ہے۔ کئی سیڑھیاں چڑھ کر مغلیہ طرزِ تعمیر کا بہت بڑا صدر دروازہ ہے جس سے گزریں تو 527 فٹ لمبا اور 430 فٹ چوڑا صحن ہے۔ اس میں صفوں کی تقسیم سیاہ ماربل سے کی گئی ہے۔ صحن کے وسط میں خوب صورت تالاب ہے۔ صحن کے شمال اور جنوب میں محرابی دروازے ہیں۔ ایسی ہی تعمیرات مشرقی سمت میں صدر دروازے سے متصل بھی تھیں جو انگریز دور میں مسمار کر دی گئیں۔ مغربی سمت میں نمازیوں کے لیے بڑا ہال ہے، جس کے گیارہ محرابی دروازے ہیں۔ وسطی دروازہ زیادہ بڑا ہے۔ بڑا ہال تین حصوں میں ہے۔ وسطی حصوں میں فرش اور دیواروں پر ماربل کا کام ہے اور کئی رنگوں کے نقش و نگار ہیں۔ اس کے ہر کونے پر ہشت پہلو مینار ہیں، جن کے درمیان میں سنگِ مرمر کے تین گنبد ہیں۔ وسطی گنبد زیادہ بڑا ہے اور آگرہ کے تاج محل جیسا ہے۔ صحن کے چاروں کونوں پر سرخ پتھر سے بنے ہوئے بلند و بالا مینار ہیں۔ ہر ایک کا محیط نو فٹ اور بلندی 150 فٹ ہے۔ ہر مینار کے اندر سرخ پتھر سے بنی سیڑھیاں ہیں۔ مینار پر چڑھ کر لاہور شہر کا منظر دیکھنا منفرد تجربہ ہے۔ مسجد کے یہ مینار اور مقبرہ جہانگیر کے چاروں مینار اس دور کے معماروں نے اس مہارت سے بنائے ہیں کہ شاہی مسجد کے میناروں پر چڑھ کر دیکھیں تو مقبرے کے مینار نظر آتے ہیں۔ شاہی مسجد کے باہر صدر دروازے کے ساتھ حضوری باغ میں علامہ اقبالؒ کا مزار ہے۔ یہ اور اس جیسی اس دور کی مساجد و عمارات مغل بادشاہوں کے ذوق اور فنِ تعمیر کی ان کے معماروں کی مہارت کو ظاہر کرتی ہیں۔ بادشاہی مسجد میں ایک لاکھ نمازیوں کے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ مسجد کے قریب ہی شاہی قلعہ ہے۔ یہ بھی مغل دور کی خوب صورت ترین تعمیرات میں سے ایک ہے۔ بادشاہی مسجد کے صدر دروازے کے ساتھ بالائی منزل پر حضور اکرم ﷺ اور آپ کے اہل بیت سے منسوب بعض تبرکات رکھے گئے ہیں۔ سبز پگڑی، ٹوپی، جبہ اور لباس مبارک وغیرہ، سیدہ فاطمہ ؓ کی جائے نماز اور کڑھا ہوا رومال مبارک، حضرت علی ؓ کے خط میں لکھا قرآن پاک، نیز حضرت حسن اور حضرت حسین ؓ کے تبرکات بھی ہیں، اور بھی قرآن مجید کے کئی نسخے ہیں۔ (ماخوذ از: لاہور کے نئے پرانے رنگ)

اچھی خبریں

نظر سے گزرنے والی اکثر چوری، ڈکیتی اور قتل وغارت کی خبریں لاکھوں کروڑوں لوگوں میں سے صرف چند ایک کی ہوتی ہیں۔ اس سے معاشرے کی اصل عمومیت سامنے نہیں آپاتی۔ سالہا سال ہم ہر وقت برائیوں کی خبریں سنتے رہتے ہیں تو ذہن میں عام آدمی کے بارے میں ایک برا تصور جم جاتا ہے۔ ہر شخص دوسرے آدمی پر شک اور بدگمانی کرتا ہے، جس سے خراب معاشرے کی مضبوط بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اصل حالات جاننے کے لیے بچوں کا اسلام کے ملک بھر میں پھیلے رپورٹر کی اچھی خبریں پڑھیے:

☆...... میں ایک دفعہ صبح صبح اپنی گاڑی مکینک کے پاس چھوڑ آیا، جب دوپہر کو گاڑی واپس لینے گیا تو اس نے صرف تین سو روپے مانگے، حالانکہ کام کی نوعیت دیکھتے ہوئے میرا اندازہ تھا کہ کم از کم تین چار ہزار کا بل بنے گا۔ جب میں نے حیرت سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ معمولی سا نقص تھا اور صبح ہی تھوڑی دیر میں دور ہو گیا تھا۔ میں اس کی امانتداری سے بڑا متاثر ہوا کہ اگر وہ چاہتا تو دھوکا دے کر بآسانی مجھ سے تین چار ہزار روپے اینٹھ سکتا تھا۔

☆...... ہمارے ایک حافظ جی دوست ہیں جو اپنی موٹر سائیکل پر شہر سے تھوڑا باہر نئی آباد کالونی میں بچوں کو قرآن پڑھانے جایا کرتے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ایک روز میں حسبِ معمول تھوڑی بلند آواز میں سورۂ یٰسین پڑھتا ہوا واپس آ رہا تو ایک نوجوان نے مجھ سے لفٹ مانگی۔ میں نے اسے ساتھ بٹھا لیا۔ جب اسے شہر میں لا کر اتارا تو وہ میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا: "حافظ جی! میں نے آپ سے لفٹ آپ کو لوٹنے کے لیے مانگی تھی لیکن آپ سارے رستے قرآن پڑھتے آئے ہیں تو میری غیرت نے آپ کو لوٹنا گوارا نہیں کیا۔" پھر جاتے ہوئے مسکرا کر کہنے لگا: "آئندہ دھیان کیجیے گا، ہر کوئی ایسی غیرت نہیں کھاتا۔"

(عمار راجپوت)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

◉ شمارہ ۱۰۳۵ میں بنت درخواستی کی تحریر واداجان کے بارے میں پڑھی۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ اتنے اچھے خاندان میں پرورش پائی۔ اللہ پاک آپ کو ہمیشہ خوش اور آباد رکھے، آمین! 'ڈاک خانہ اور ہم' دلچسپ لگی۔ اثر جون پوری کی نظم خوب ہے۔ 'ایک دن کا مدیر' بھی بہت زبردست کہانی رہی۔ سعدیہ ارشد نے بھی بہت اچھی تحریر لکھی۔ الف نمبر کی دیگ کے تو کیا ہی کہنے۔ آمنے سامنے کی غیر موجودگی ہمیں بہت کھلی۔ ''آیئے دین سیکھیے'' بچوں کا اسلام میں یہ نیا سلسلہ بہت اچھا لگا۔ مختصر پر اثر ہر شمارے میں دیکھ کر خوشی ہوتی ہے۔ محترم اثر جون پوری صاحب کی آم کے بارے میں نظم پڑھی، لگتا ہے جون پوری کو آم میسر نہیں آئے ابھی تک۔ اللہ پاک آموں کی پیٹیوں سے ان کا گھر بھر دے۔ عارضی جدائی پڑھ کر دکھی ہو گئے۔ اللہ پاک مفتی صاحب کو جلد اپنے گھر پہنچا دے۔ چچا مائل خیر آبادی نے اپنی خوب صورت نظموں کے ذریعے بچوں کے دل جیت لیے۔ محترمہ شازیہ نور بہت دنوں میں قمر اجالا لائیں، بہت خوب! جناب عتیق احمد صدیقی کا انٹرویو مزیدار اور چٹخارے دار ہے۔ محترمہ سارہ الیاس کی تحریر عجیب لگی۔ پپو پہلے اتنا بدتمیز بچہ تھا، پھر ایک دم ہی تمیز دار بن کر چوروں کو پکڑوا دیا! (بنت البحر۔ ٹنڈو آدم)

ج: پپو نے تمیز داری سے نہیں، اپنی ذہانت سے چوروں کو پکڑوایا تھا۔ ویسے پپو جیسے بچوں کو اصلاً بدتمیز نہیں بلکہ شرارتی بچہ کہیں گے اور شرارتی بچے ہی زیادہ ذہین ہوتے ہیں۔ عام طور پر شرارتی بچے عمر کے ایک مخصوص دور میں سب کو تنگ بھی خوب کرتے ہیں، پڑھائی کے چور بھی ہوتے ہیں مگر اپنی ہوشیاری اور تیزی طراری کی وجہ سے مجرموں کو پہچان کر انھیں تگنی کا ناچ بھی نچا سکتے ہیں۔ کوئی بڑا پیار سے ان کا رخ درست کر دے تو یہ اپنے کاموں سے خاندان اور ملک کا نام بھی خوب روشن کرتے ہیں!

◉ ایک نظم اور ایک حقیقت پر مبنی ٹیچر کی روداد لکھی ہے اور اس امید سے آپ کو بھیج رہا ہوں کہ آپ اسے رسالے میں شائع کریں گے۔ میری عمر ۱۷ سال ہے۔ ہمارے خاندان میں کافی عرصے سے یہ رسالے بڑے عقیدت واحترام سے پڑھے جاتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ کم از کم میری شاعری ضرور رسالے میں شائع ہو۔

(عبیدالرحمن المعروف واحفظ سرکالوی)

ج: آپ کے مضمون کو تو ہم دیکھ لیں گے کہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں، نظم کسی مستند شاعر کی اصلاح کے بغیر ہم شائع نہیں کرتے۔ محترم اثر جونپوری صاحب کا برقی پتا ہم لکھ رہے ہیں۔ آپ اپنی نظمیں انھیں اس پتے پر بھیج سکتے ہیں:

(asarjonpuri@gmail.com)

◉ بچوں کا اسلام شمارہ ۱۰۳۷ میں سب سے پہلے قرآن وحدیث سے دل و دماغ روشن کیے، پھر وسنک پڑھ کر ارمان ہی کرتے رہ گئے، کیونکہ 'سرمد' پڑھنے کا شوق بہت ہے جبکہ فی الحال دسترس سے باہر ہے۔ 'یہ دس راتیں' عشرہ ذی الحجہ کی فضیلت جتلاتی تحریر تھی۔ 'رباط' خوب صورت کہانی تھی۔ (ع۔ ز۔ ام رمیصاء۔ پشاور)

ج: زیادہ ''ارمان'' نہ کریں۔ سرمد کتاب کہاں جا رہی ہے، ابھی نہ سہی، کچھ عرصے بعد سہی پڑھ لیجیے گا ویسے لفظ 'ارمان' کا یہ استعمال شاید سرائیکی

◉ شمارہ ۱۰۳۶ ہاتھ میں ہے۔ لگتا ہے اس سال تو حافظ عبدالرزاق کی ریکارڈ کہانیاں شائع ہوں گی۔ ویسے میں دیکھ رہا ہوں کہ آہستہ آہستہ رسالے پر بہنوں کا قبضہ ہوتا جا رہا ہے۔ آپ کا ناول لگانے کا وعدہ ابھی تک وفا نہیں ہوا۔ شان الحق حقی کی کہانی پڑھ کر علم اور مزاح دونوں مل گئے۔ 'میر حجاز' ہمیشہ کی طرح ہم سب سے پہلے پڑھتے ہیں۔ سب آمنے سامنے میں پہنچے تو شمارہ ۱۰۳۴ پر تبصرہ پایا۔ حیران ہوئے کیونکہ میں

تو سمجھتا تھا کہ چار رسالے آپ پہلے ہی سے تیار رکھتے ہیں۔ (محمد وقاص۔ جھنگ صدر)

ج: عام طور پر دو سے تین رسالے قطار میں ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک شائع ہو کر آپ کے ہاتھ میں آتا ہے تو عین اس وقت ایک رسالہ پریس میں چھپ رہا ہوتا ہے، ایک ڈیزائننگ پر ہوتا ہے اور ایک پر ادارتی کام ہو رہا ہوتا ہے۔ کبھی کبھی مگر تین سے زیادہ اور کبھی صرف ایک رسالہ ہی پیشگی رہ جاتا ہے۔

◉ میرے دونوں بچوں نے سرمد ناول مجھ سے بڑے شوق سے سنا۔ چوتھا حصہ ختم ہونے پر بیٹا بولا یہ بات غلط ہے سرمد نے سب کو گھر پہنچایا اور اپنا گھر نہ ڈھونڈ سکا۔ بیٹی بولی یہ مدیر چاچو کی غلطی ہے، انھوں نے سرمد کو غفور چچا کے پاس چھوڑ دیا۔ آج کل دونوں بڑی بے چینی سے پانچویں حصے کا انتظار کر رہے ہیں۔ (ام عثمان)

ج: پانچواں اور آخری حصہ ''سرمد کی واپسی'' آ گیا ہے۔ بچوں کو کہیں کہ یہ مدیر چاچو کی نہیں غفور چچا ہمارا مطلب ہے کاوش چچا کی غلطی تھی۔

◉ میں نے آپ کو ۱۴ ذی الحجہ کو فون بھی کیا تھا کہ اچھی کہانی لکھنے کے حوالے سے کوئی تحریری رہنمائی ہونی چاہیے رسالے میں۔ آپ نے کہا تھا کہ ایک سلسلہ شائع ہو چکا ہے، آپ شمارے دفتر روزنامہ اسلام سے منگوا لیجیے، سو اب ہمیں شمارے نمبر بتا دیجیے۔ ویسے شمارہ ۱۰۳۹ کو اگر تاریخی قصوں پر مشتمل شائع شدہ شمارہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ تحریروں کا اسلوب اتنا شاندار کہ بوریت محسوس ہوئی نہ تھکن، بلکہ ہر کہانی سبق آموز تھی۔ کایا پلٹ بہترین کہانی رہی۔ میر حجاز ان دنوں ہمارے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ آج کل ہم یہ سب سے پہلے پڑھتے ہیں۔ (حافظ محمد احمد بن عرفان الحق۔ ملتان)

ج: جناب احمد حاطب صدیقی کا ایک بہت ہی مقبول اور بہترین سلسلہ ''بچوں کے لیے کیسے لکھیں؟'' بچوں کا اسلام میں سلسلہ وار شائع ہوا تھا۔ یہ سلسلہ شمارہ ۸۱۹ سے شروع ہوا اور شمارہ ۸۳۸ میں ختم ہوا۔ کل ۱۱۹ اقساط تھیں۔

◉ بچوں کا اسلام میں اپنا خط دیکھ کر بہت زیادہ خوشی ہوئی۔ آپ کا جواب اچھا ہی نہیں بہت زیادہ اچھا لگا۔ ویسے تو ہم خطوط پڑھتے ہی تھے لیکن اپنا خط پڑھ کر پتا چلا کہ کتنی خوشی ہوتی ہے۔ آپ بچوں کے خط شائع کر کے ان کی دل سے نکلی دعا میں شامل ہوتے ہیں۔ اللہ آپ کو بھی ہمیشہ خوش رکھیں، آمین۔ ہم حفظ کر رہے ہیں اس سال وفاق ہے، ہمارے لیے خصوصی دعا کیجیے گا۔ میر حجاز ہمارا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ ایک لفظ بھی چھوڑنے کو دل نہیں کرتا لیکن اس کی جگہ رسالے میں ایک صفحے کی ہوتی ہے بس۔ ''ایک لفظ درد جو درد سر بن گیا'' میں اگرچہ تہمینہ کو چپ لگ گئی مگر اتنے الفاظ کہ حیرت ہوئی۔ بہت کچھ سیکھا اس تحریر سے۔ ختم نبوت کہانیاں بھی بہت اچھی ہوتی ہیں۔ (طیبہ راؤ۔ علی پور، مظفر گڑھ)

ج: اللہ جل شانہٗ آپ کے سینے میں اپنا کلام محفوظ فرمائے اور دنیا آخرت کے ہر امتحان میں سرخ رو فرمائے، آمین!

◉ شمارہ ۱۰۳۳ زبردست تھا۔ میر حجاز اچھا جا رہا ہے۔ 'آپ ہماری نظروں میں ہیں' کیا خوب پر اثر کہانی تھی۔ 'نسلی اور فصلی تاجر' کے بارے میں یہ سوچ رہا ہوں کہ ایسا کوئی تاجر آج کے زمانے میں کیوں نہیں ہو سکتا؟ (خواجہ حافظ محمد عبداللہ خرم شیخ۔ ملتان)

ج: ضرور ہو سکتا ہے بلکہ ہیں بھی۔ اچھے انسانوں سے دنیا کبھی خالی نہیں ہوتی۔ ہمارا ''اچھی خبریں'' والا پڑھیں اور خود بھی کوشش کریں کہ کوئی بھی اچھی خبر نظر آئے تو ہمیں لکھ بھیجیں۔

● ہزارواں سالنامہ آپ کی محنت کی بہترین کاوش ہے۔ اس کا صلہ ہم تو آپ کو نہیں دے سکتے مگر اتنا ضرور کر سکتے ہیں کہ اللہ سے دعا کریں کہ وہ آپ کو آخرت میں اس کا بہترین صلہ عطا کرے، آمین! سب سے پہلے آپ نے ہمیں 'سیرت و تاریخ' کے کئی واقعات سنائے جس میں ہمیں 'شہید کربلا' اور 'افغانستان کا سب سے کم سن شہید' دو واقعات بہت اچھے لگے۔ اس کے بعد آپ نے 'آپ بیتی و سفرنامہ' پیش کیا، جس میں ہم 'راہ فرار' نہیں 'راہ قرار' کو بہترین آپ بیتی کا حق دار ٹھہراتے ہیں۔ رنگ برنگی کہانیوں کے دسترخوان میں تین کہانیاں ہمیں اتنی اچھی لگیں کہ ہم کھانا کھانا بھول گئے۔ وہ ہیں 'اگر مرزا ہوتا خدا کا نبی'، 'مبلغ، مصلح، مربی' اور 'بے نام و نشان' اس کے بعد ہم نے نظمیں سنی، جس میں ایک نظم کے شعروں نے دل کو چھو لیا وہ ہے 'ملتزم پر' اس کے بعد اس مہمان نے ہمارے پیارے رسالے کے مدیر کا انٹرویو کیا۔ آہا، مزہ آ گیا! ویسے انٹرویو سے پتا چلتا ہے کہ ہمارے مدیر شریر بھی ہیں۔ اس کے بعد مہمان کے ساتھ ہم چھوٹے بچوں کی طلسماتی دنیا کی سیر کو گئے جس میں ہم نے بچوں کی تمام کہانیاں چٹکیے سے پڑھ ڈالیں۔ ان تمام کہانیوں میں ہمیں 'بابا گوشی کی مدد' بہت اچھی لگی۔ (رابعہ افتخار۔ آفیسر کالونی، وہاڑی)

ج: خوبصورت دعا پر آمین۔ ویسے بہت دیر کر دی الف نمبر پورا کرتے کرتے۔

● شمارہ ۱۰۳۳ سامنے ہے۔ 'ایک اور الف نمبر' کی روداد پڑھی اور انتظار شروع ہو گیا۔ تین ننھے جاسوس کی آخری قسط بہت ہی مزے کی تھی۔ آپ ہماری نظروں میں ہیں اور نسلی اور فصلی تاجر دونوں ٹاپ پر تھی۔ خود کو ڈھونڈیں میں، میں نے خود کو ڈھونڈا۔ آمنے سامنے کے تمام جوابات پسند آئے۔ (ام محمد حنظلہ۔ بھکر)

ج: یقیناً کسی اچھی صف میں پایا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پسندیدہ بندوں کی صف میں شامل فرما دے، آمین!

ہمارا اور اغیار کا نظام

ایک بار خلیفہ راشد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ مدینے کی گلیوں میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک بوڑھے بھکاری پر نگاہ پڑی کہ لوگوں سے سوال کر رہا تھا۔

آپ اس کے قریب گئے اور پوچھا: ''بڑے میاں! آپ کون ہیں؟''

کہنے لگا: ''میں بوڑھا یہودی ہوں لوگوں سے خیرات مانگتا ہوں تا کہ آپ نے جو جزیہ ہم پر لگا رکھا ہے، وہ ادا کر سکوں اور باقی جو بچے اسے بال بچوں پر صرف کروں۔''

حضرت فاروق درمند ہوئے، فرمایا:

''بڑے میاں! یہ تو ہم نے شاید تم سے انصاف نہیں کیا، جب تک تم جوان تھے تو ہم جزیہ وصول کرتے رہے، اب بوڑھے ہو چلے تو ہم نے تمھیں بے آسرا کر چھوڑا۔''

پھر آپ نے اس یہودی کا ہاتھ پکڑا، اسے اپنے گھر لے گئے۔ اپنے کھانے سے اسے کھلایا، بیت المال کے خزانچی کو کہلوایا کہ اس بوڑھے اور اس جیسے دوسروں کا اتنا وظیفہ مقرر کر دو کہ جو انھیں اور ان کے بال بچوں کے لیے کافی ہو۔ چنانچہ مسلمانوں کے بیت المال سے اس کے لیے ماہوار رقم جاری فرمائی کہ جو اسے اور اس کے گھر والوں کو کافی ہو اور اس سے جزیہ کی رقم باقی عمر کے لیے ختم کر دی۔

یہ ہے اسلام کا طریقہ!

اسلام میں پنشن غریب،

انتخاب: ثروت احمد۔ کراچی

یتیم، معذور، بیواؤں کو دی جاتی ہے، خواہ انھوں نے سرکاری نوکری کی ہو یا نہیں کی۔ ملک عزیز پاکستان میں جو پنشن کا طریقہ کار ہے وہ اغیار کا ہے کہ الٹا معذور، یتیم، بے آسرا بیواؤں سے بھی ٹیکس میں پیسہ لیا جاتا ہے اور بٹے کٹے دولت مند لوگوں کو بھی دیا جاتا ہے۔ اگرچہ بہت سے پنشن لینے والے محتاج بھی ہوتے ہیں اور ٹیکس دینے والے امیر بھی، مگر اغیار کا یہ نظام انصاف پر مبنی نہیں ہے۔ جس میں ایک ہی لاٹھی سے سب کو ہانکا جاتا ہے۔ دین میں امیر سے لے کر غریب ضرورت مند کو دیا جاتا ہے۔

● ابن آس محمد کی 'تین ننھے جاسوس' کہانی بہت اچھی تھی۔ نسلی اور فصلی تاجر ایک سبق آموز کہانی تھی۔ توکل کہانی نے تو سنت کو زندہ کر دیا۔ عتیق احمد صدیقی کا انٹرویو بہت ہی اچھا اور سبق آموز لگا۔ (لبنیٰ اعجاز۔ تھانہ ریتڑہ)

● بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا خط شائع کیا بلکہ اس سے زیادہ تو میری امی کو خوشی ہوئی۔ میری امی نے میرا خط سب کو دکھایا حتیٰ کہ میرے تایا جان جو لاہور میں رہتے ہیں انھیں بھی فون کر کے بتایا۔ وہ بھی بہت خوش ہوئے۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں دوبارہ خط لکھوں گی۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں لکھاری بنوں، مگر میرے ابو جان کا خواب ہے کہ میں ڈاکٹر بنوں۔ (ازکیٰ رانی۔ علی پور)

ج: سب کی خوشی سے ہمیں بھی خوشی ہوئی۔ جو بھی بنیں بس اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ بندی بنیں۔ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے والی۔

● چاچو جی ہم نے دو ماہ کے بعد رسالے پڑھے ہیں اس لیے قلم بھی ابھی اٹھایا لکھنے کے لیے۔ چاچو جی میں نے خطوط کے ساتھ کچھ تحریریں بھی بھیجی تھی کیا وہ قابل اشاعت ہیں؟ اور جواب بھیج رہی ہوں وہ بھی قابل اشاعت ہیں کہ نہیں؟ (اسماء حفصہ۔ لاہور)

ج: یہ وہ سوال ہے، جو خط کے جواب میں نہیں دیا جا سکتا۔ انتظار کیجیے کچھ۔

● ابھی تک تو میری حیثیت محض ایک خاموش قاری کی تھی، لیکن اب مجھے بھی قلم اٹھانے کا شوق ہوا ہے۔ ایک کہانی پہلے بھی لکھ چکا ہوں لیکن وہ شاید 'ناقابل اشاعت' ٹھہری ہے۔ یہ میری دوسری کہانی ہے۔ میں لکھنے کے حوالے سے کوئی تجربہ نہیں رکھتا، لہٰذا میں چاہوں گا کہ آپ مجھے چند ضروری ہدایات لکھ دیں۔ ڈاک خرچ اور جوابی لفافہ بھیج رہا ہوں۔ کہانی کی اصلاح بھی چاہوں گا۔ آخر میں آپ کے لیے ایک شعر عرض کیا ہے۔

تیرا پہلو ترے دل کی طرح آباد رہے
تجھ پہ گزرے نہ قیامت شب تنہائی کی

(احمد فراز بن پرویز اختر۔ گاؤں ویسہ، تحصیل حضرو، ضلع اٹک)

ج: شعر میں دعا کے لیے بہت شکریہ۔ آپ نے ڈاک خرچ بھیج کر ہم پر بوجھ ڈال دیا۔ بہر حال بچوں کا اسلام میں پچھلے برسوں میں کئی سلسلے ایسے شائع ہو چکے ہیں۔ ایک سلسلے کا ذکر تو اوپر کسی خط میں بھی کیا ہے۔ ایسا کرتے ہیں کہ آپ کے بھیجے گئے پیسوں سے وہ شمارے آپ کو بھیج دیتے ہیں۔ یا اگر آپ کے پاس وہ شمارے موجود ہیں تو ان سے سبق تازہ کر لیں۔ یہ پیسے ہم آپ کو ایزی پیسہ کروا دیں گے۔ اگلے خط میں ضرور تفصیل لکھیے گا۔

مری

عبدالمعز ظفر العباسی

سرد ہواؤں، بلند و بالا درختوں، پرکشش پہاڑوں، وقفے وقفے سے چلتی بادلوں کی ٹولیوں اور پرکشش مناظر کی سرزمین کا نام مری ہے۔ دلفریب خوب صورتی اور دلکش پہاڑوں کی وجہ سے میرے سوہنے شہر کو ملکۂ کوہسار کا لقب ملا ہے۔ مری پاکستان کے مشہور سیاحتی مقامات میں سے ایک صحت افزا مقام ہے۔ ۱۸۴۹ء میں پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں کو کسی سرد مقام کی تلاش ہوئی تو نگاہ اس علاقے پر پڑی۔ ۱۸۵۱ء میں انگریزوں نے یہاں پہلی بارک تعمیر کی۔ اس وقت کے انگریز حکمران نے اپنی بیٹی (میری) کی نسبت سے اس بستی کا نام میری رکھا جو بعد ازاں مری ہو گیا۔

محل وقوع، موسم اور تفریحی مقامات:

مری ضلع راولپنڈی کی تحصیل ہے۔ یہ راولپنڈی کے شمال مشرق میں ۳۹ کلومیٹر دور واقع ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ۱۹۰۷ء تک پنڈی سے مری تانگوں پر جایا کرتے تھے، جس میں اونچائی پر سفر کی وجہ سے دو دن صرف ہوتے تھے، لیکن آج کل گاڑی میں یہ سفر ڈیڑھ سے دو گھنٹے کا ہے۔ آج کل مری جانے کے لیے دو راستے استعمال کیے جاتے ہیں: گورنمنٹ ٹرانسپورٹ G.T روڈ اور ایکسپریس وے۔ جی، ٹی روڈ سے جاتے ہوئے تریٹ کے مقام سے آگے نکلتے ہی مری کا دل فریب موسم اور سڑک کے دونوں طرف موجود چیڑ اور صنوبر کے لمبے لمبے درخت سیاحوں کو خوش آمدید کہتے دکھائی دیتے ہیں، جبکہ ایکسپریس وے ڈبل روڈ ہونے کی وجہ سے زیادہ محفوظ ہے۔ مری کا یہ سفر سرسبز پہاڑوں، گھنے جنگلات اور دوڑتے رقص کرتے بادلوں کے حسین نظاروں سے بھرپور ہے۔ گرمیوں میں سرسبز اور سردیوں میں سفید رہنے والے مری کے پہاڑ سیاحوں کے لیے بہت کشش کا باعث ہیں۔

اس صحت افزا مقام کی بلندی سطح سمندر سے تقریباً ۸ ہزار فٹ ہے۔ مری کا کل رقبہ ۴۳۴ مربع کلومیٹر ہے اور اس کی کل آبادی ۲۰۱۷ء کی مردم شماری کے مطابق ۲۳۳۰۱ ہے۔

مری کا صدر مقام جی پی او (G.P.O) چوک مال روڈ ہے۔ یہ مال روڈ شہر کی مرکزی سڑک ہے۔ یہاں شہر کے مشہور تجارتی مراکز اور کثیر تعداد میں ہوٹل قائم ہیں۔ مال روڈ سے نیچے مری کے رہائشی علاقے اور خشک میوہ جات و سامان آرائش کے بازار ہیں۔ شاید قارئین کے لیے یہ بات حیرت کا باعث ہو کہ آزادی تک اس سڑک پر غیر یورپی افراد کا آنا ممنوع تھا۔

مری میں مختلف قبائل اور اقوام کے لوگ بستے ہیں لیکن اکثریت عباسی قوم کی ہے۔ اس کے علاوہ وہ لوگ بھی ہیں جو شمالی علاقہ جات سے روزگار کی تلاش میں یہاں آئے اور یہیں بس کر رہ گئے۔ یہاں کے لوگ نہایت خوش اخلاق اور نفیس ہیں۔

سردیوں، گرمیوں میں یہاں سیاحوں کی آمد و رفت یکساں طور پر رہتی ہے۔ دسمبر سے مارچ تک سخت سردی کا راج ہوتا ہے۔ دسمبر کے آخری عشرے سے لے کر فروری کے اختتام تک برف باری کا دور دورہ ہوتا ہے۔ برف کی چادر مری کو لپیٹ لیتی ہے اور پھر برف باری دیکھنے کے لیے پورے ملک سے سیاح مری آتے ہیں۔ برفباری کے دنوں میں یہاں رات انتہائی خوب صورت ہوتی ہے۔ بجلی کی روشنیوں میں یوں لگتا ہے جیسے تارے زمین پر اتر آئے ہوں۔

مارچ کے شروع ہوتے ہی بہار اپنا رنگ دکھانا شروع ہو جاتی ہے۔ ہر طرف سبزہ دکھائی دیتا ہے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں پھولوں کی مہک سے تمام علاقے کو معطر کر دیتی ہیں۔ ہر دوسرے تیسرے دن بارش ہوتی ہے جو ماحول کو اور خوش گوار کر دیتی ہیں اور پھر ملک بھر کے میدانی علاقوں سے گرمی کے ستائے لوگ یہاں کا رخ کرتے ہیں۔

خزاں کا موسم اداسی کا موسم مشہور ہے مگر مری کی رونق خزاں میں بھی برقرار رہتی ہے۔ رستوں اور سڑکوں پر یلغار خزاں سے گرے ہوئے پتے شاعروں اور ادیبوں کے تخیل کو مہمیز کرتے ہیں۔

مری کی شہرت کی اصل وجہ اس کے تفریحی مقامات ہیں۔ اس کا صدر مقام جی، پی، او چوک مال روڈ ایک قابل دید مقام ہے۔ اس کے علاوہ پنڈی پوائنٹ، کشمیر پوائنٹ گرد و نواح میں گھڑیال کیمپ، منی (mini) شکر پڑیاں اور بھوربن ہوٹل دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ نیو مری میں موجود چیئر لفٹ، کیبل، کار لفٹ مشہور تفریحی مقامات ہونے کے ساتھ ساتھ سیاحوں کی دلچسپی کا محور ہیں۔ ہر سال ہزاروں سیاح چیئر لفٹ اور کیبل کار لفٹ پر بیٹھ کر لطف اٹھاتے ہیں۔ یہاں پر گرمیوں میں اگائے جانے والے مشہور پھلوں میں سیب، ناشپاتی، خوبانی، آلو بخارہ اور آلوچہ وغیرہ شامل ہیں۔

تعلیم: تعلیم دینی ہو یا دنیوی، میرا سوہنا شہر کسی سے کم نہیں۔ یہاں مدارس دینیہ بڑی تعداد میں موجود ہیں، جن میں بے شمار طلبہ دین کی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ مشہور مدارس میں جامعہ دارالعلوم مری (جو دارالعلوم کراچی کی شاخ ہے)، جامعہ فاروقیہ، مدرسہ عربیہ اسلامیہ اور جامعہ اشاعت الاسلام ہیں۔ آخر الذکر مدرسے کی بنیاد آج سے ۴۸ سال قبل ۱۹۷۴ء میں رکھی گئی۔

دنیوی تعلیم کے اعتبار سے گھوڑا گلی کے مقام پر پاکستان کا مشہور لارنس کالج، مانسہری گلی میں کیڈٹ کالج اور جھیکا گلی کے مقام پر کوہسار یونیورسٹی قابل ذکر ہیں۔

معروف شخصیات: مری کے مشہور علماء میں جناب مفتی خالد عباسی، جناب سیف اللہ سیفی، جناب قاری سعید عباسی، جناب مولانا سفارش عباسی، مناظر اسلام مولانا صفدر محمود عباسی جبکہ دیگر معروف شخصیات میں انصار عباسی، ظفر محمود عباسی، مہتاب احمد خان عباسی اور سابق وزیر اعظم شاہد خاقان عباسی شامل ہیں۔

مری خالق کائنات کی پیدا کردہ خوب صورت نشانیوں اور عطا کردہ تمام نعمتوں سے مالا مال وادی ہے، جس کی خوب صورتی دیکھ کر شاعر بے ساختہ بول اٹھتا ہے۔

قدرت کا ہے شاہکار مرے یار مری میں
کیا خنک ہوائیں ہیں مرے یار مری میں
نخ بستہ ہے موسم تو ہیں پر کیف ہوائیں
جی چاہتا ہے سیر و سیاحت کو مری میں
صیاد مرے یار ہیں بوبکر سو اب کے
جاں طلب یار ہے تیار مری میں